تفسیر فتح العزیز
چند حقائق کی روشنی میں

جناب محمد عضدالدین خاں صاحب ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے علمی کارناموں میں ان کی تحفۂ اثنا عشریہ اور تفسیر فتح العزیز
اہم تصانیف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر اپنے موضوع پر یقیناً حرف آخر ہے،
اس لحاظ سے شاہ صاحب کا اہم ترین کارنامہ ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کی تفسیر بھی
ہائی علمی اہمیت کی حامل ہے، بلکہ ایک لحاظ سے تحفہ سے اہم ہے، شاہ صاحبؒ کی
اگوں علمی و ادبی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ اسی تفسیر سے ہوتا ہے۔ وہ اس تفسیر میں بیک وقت
بھی نظر آتے ہیں اور متکلم بھی، محدث بھی اور صوفی بھی، فقیہ بھی اور ادیب بھی۔ اس
علاوہ اس تفسیر میں نظم قرآنی اور دوسرے تفسیری نکات جتنے خوب صورت پیرائے میں
ہیں، شاید ہی کسی ہندوستانی تفسیر میں اس وقت تک بیان کئے گئے ہوں، اسی لئے
شاہ عبدالعزیز صاحبؒ بھی اس معرکۃ الآراء تفسیر پر فخر و مسرت محسوس فرماتے تھے، چنانچہ
شاگرد مرزا حسن علی محدث کے ایک خط کے جواب میں جو اصل میں تحفہ اثنا عشریہ
معترضین کے جواب کے سلسلے میں تھا، تحریر فرماتے ہیں۔

"...... ومع ہٰذا جائے طعن معاندان و حاسدان وقتے متوجہ

فقیر می تواند شد کہ ایں فقیر دعوی تصنیف ایں کتاب موجبِ افتخارِ خود دانستہ تقریرًا وتحریرًا بالقلم زبان یا بزبانِ قلم کردہ باشد معلوم است کہ ایں کتاب را تصنیف حافظ غلام حلیم ابن شیخ قطب الدین احمد ابن شیخ ابوالفیض نوشتہ ام اگر منظور دعوے نسبت ایں کتاب بخود می بود چرا ایں قدر اخفا بنا مہائے غیر معروف بعمل می آوردم بلکہ حالا ہم ہرگز بہ نسبت ایں کتاب بطرف خود خوش نمی شوم آرے اگر تفسیر فتح العزیز وامثال ایں تصانیف را اگر بہ فقیر نسبت کنند موجب شادمانی خاطر میگردد[1]"

ان کی اس اہم تفسیر کے سلسلے میں دو متضاد روایات ملتی ہیں۔ بعض روایات سے اندا ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے یہ تفسیر مکمل نہیں کی تھی، بلکہ شروع کے سوا پارے سے کچھ زیا اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر فرمائی تھی۔ اور بعض شواہد سے اس کا قوی گمان ہوتا ہے کہ تفسیر اگر لکھی گئی تو مکمل ہی لکھی گئی۔ اس مضمون میں اصل حقیقت کی تلاش کی کوشش گئی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے یہ تفسیر ۴۹ برس کی عمر میں ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۷۹۳ء میں لکھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شاہ صاحب متعدد موذی امراض کا شکار ہو چکے تھے، اور ان بصارت بھی تقریبًا جاتی رہی تھی، جیسا کہ انہوں نے خود تفسیر کے مقدمے میں تحریر فرمایا تفسیر لکھنے کا سبب خود شاہ عبدالعزیز صاحب کے بیان کے مطابق مولانا شاہ فخر صاحب مرید شیخ مصدق الدین عبداللہ کی خواہش اور ان کا شوق تھا، چونکہ بصارت اس وقت تقریبًا زائل ہو چکی تھی اس لئے تفسیر کو خود لکھنے کے بجائے املا فرمایا تھا[2]۔

یہ تفسیر غیر مکمل پائی جاتی ہے یعنی اس میں صرف سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی شروع ۱۸۴ آیتوں "وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" تک کی تفسیر ہے جو سوا پارے سے کچھ زائد پر مشتمل ہے، اس کے بعد آخر کے دو پاروں کی تفسیر ہے جو متعدد بار شائع ہو چکی ہے

---

[1] مجموعۂ فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۱۳۷ ۔ [2] تفسیر فتح العزیز (مقدمہ) ص ۳ ۔

اس سلسلے میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا شاہ صاحب نے صرف اتنی ہی تفسیر لکھی تھی یا پورے قرآن شریف کی؟ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ شاہ صاحب نے صرف اتنی ہی تفسیر لکھی جتنی کہ آج مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔

اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ صرف اتنی ہی تفسیر قلمی یا مطبوعہ شکل میں ملتی ہے اور یہ گمان بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے پوری تفسیر لکھی تھی جس کا بیشتر حصہ کسی وجہ سے ضائع ہوگیا کیونکہ ان کی کوئی اور تصنیف ضائع نہیں ہوئی، ایسی حالت میں صرف اسی تفسیر کے حصوں کا ضائع ہوجانا قرین قیاس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مختلف تذکرہ نگاروں نے بھی عام طور پر یہی لکھا ہے کہ یہ تفسیر نامکمل رہی۔ چنانچہ مولوی رحمان علی (۱۲۴۴ھ تا ۱۳۲۵ھ) نے اپنی کتاب تذکرہ علمائے ہند میں بھی یہی لکھا ہے۔

مقالات طریقت میں بھی جو شاہ صاحب کے حالات میں اہم تذکرہ ہے، صراحت سے مذکور ہے کہ شاہ صاحب اپنی زندگی میں اس تفسیر کو مکمل نہ کرسکے، اس لئے ان کے شاگرد مولانا حیدر علی فیض آبادی (ف ۱۲۹۹ھ) صاحب منتہی الکلام۔ نے نواب سکندر بیگم والیہ بھوپال کی خواہش پر اس کو ستائیس جلدوں میں مکمل کیا۔ صاحب مقالات طریقت کا کہنا ہے کہ انہوں نے خود اس تفسیر کو دیکھا ہے[1]۔

مگر یہ عام خیال کہ شاہ صاحب نے صرف اتنی ہی تفسیر لکھی جتنی آج مطبوعہ شکل میں موجود ہے، مندرجہ ذیل وجوہ سے بہت کمزور اور مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔

(۱) شاہ عبدالعزیز صاحب کی مختلف عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ

---

[1] مقالات طریقت از عبدالرحیم ضیاء حیدرآباد ۱۲۹۲ھ ص ۳۳ - راقم الحروف کو حیدر علی صاحب کی تفسیر کی یہ تمام جلدیں دستیاب نہ ہوسکیں، صرف آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں اس کے چند اجزاء ملے جن میں کسی طرح کا مقدمہ یا کوئی عبارت نہیں ہے جس سے اندازہ ہوسکے کہ یہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تفسیر کا تکملہ ہے۔

انہوں نے پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی تھی۔ ان کے فتاوٰی میں جا بجا ایسی سورتوں کی تفسیر کے حوالے ملتے ہیں جو اس وقت قلمی یا مطبوعہ شکل میں نہیں پائے جاتے، مثلاً یہاں چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں۔ ایک جگہ تفسیر کے سلسلے میں پوری بات لکھنے کے بعد یہ لکھتے ہیں:

... نقلاً عن مسودة فتح العزیز	فتح العزیز کے مسودہ سے یہ عبارت نقل
فی سورة آل عمران قوله تعالٰی	ہے جو سورۂ آل عمران کی تفسیر میں
قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا	قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
فقط۔[1]	کے تحت مذکور ہے۔

ایک دوسری جگہ یہ عبارت ملتی ہے:-

"و ایں فقیر در تحت آیت اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ[2] تحقیق نفیس نوشتہ کہ ایں وقت نقل آں بسبب دور افتادن مسودات متعذر است[3]۔"

ایک جگہ سورہ حدید کی آیت هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ کی تفسیر کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:-

"چنانچہ تفصیل آں دفعات در سورۂ سجدہ مذکور است و در تفسیر فتح العزیز شرح آں بوجہ مستوفی مذکور شد چوں ایں وقت حواس درست نبود نقل از مسودات آں ممکن نشد[4]۔"

اسی طرح فتاوٰی کی دوسری جلد کے صفحہ ۴۳ پر یہ عبارت ملتی ہے:-

من تفسیر فتح العزیز فی سورة النساء	تفسیر فتح العزیز میں سورۂ نساء کی آیت
تحت قوله تعالٰی كُلَّمَا نَضِجَتْ	كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ

---

[1] فتاوٰی عزیزی۔ ج دوم (مجتبائی پریس دہلی ۱۳۱۴ھ) ص ۴۹۔
[2] یہ آیت سورہ قصص یعنی بیسویں پارے میں ہے۔
[3] فتاوٰی عزیزی ج دوم ص ۶۱۔ [4] ایضاً

جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ۔

جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ کی تفسیر کے تحت (لکھا ہے کہ) . . . .

اسی کے دوسرے صفحے پر یہ عبارت ملتی ہے :-

"ایضاً منہا (ای من تفسیر فتح العزیز) من سورۃ الصافات من باب اسرار القصص تحت قولہ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ . . . . . سنفصل لک تفصیلاً لایقاً فی تفسیر سورۃ الزخرف انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور یہ عبارت بھی تفسیر فتح العزیز کی سورۃ الصافات میں اسرار القصص کے ذکر میں قرآن شریف کی آیت ولقد سبقت الخ کی تفسیر سے ماخوذ ہے . . . . . اور انشاء اللہ تعالیٰ اس امر کی مناسب تفصیل سورہ زخرف کی تفسیر میں بیان کروں گا۔

اس کے علاوہ انہی فتاوٰی کے صفحہ ۳۶ پر مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے :-

من تفسیر فتح العزیز تحت قولہ تعالیٰ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً فان قلت ما السر فی ان الادعیۃ الواردۃ فی الکتاب العزیز کلہا مصدرۃ بقولہ رَبَّنَا الا نادراً . . . . .

تفسیر فتح العزیز میں آیت رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر یہ خیال ہو کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن شریف میں بعض کو چھوڑ کر جتنی دعائیں ہیں رَبَّنَا سے شروع ہوتی ہیں . . .

یہ بات عجیب ہے کہ اس وقت تفسیر فتح العزیز کا جو حصہ مطبوعہ شکل میں ملتا ہے وہ مذکورہ بالا آیت یعنی رَبَّنَآ اٰتِنَا الخ سے سولہ آیت پہلے ختم ہو جاتا ہے، یعنی اس وقت مطبوعہ تفسیر میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۴ تک کی تفسیر ہے اور یہ آیت اس تفسیر کی آخری آیت سے سولہ (۱۶) آیتوں کے بعد ملتی ہے۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے یقیناً تفسیر فتح العزیز مکمل کر لی تھی، اسی لئے انہوں نے اس کے حوالے اپنے خطوط میں لکھے ہیں جو آج فتاوٰی کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

فتاویٰ عزیزی کی مندرجہ بالا عبارات کی تصدیق ایک دوسری کتاب سے ہوتی ہے جس کا نام ہے افاداتِ عزیزیہ[1]، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد شاہ رفیع الدین مراد آبادی نے مختلف قرآنی موضوعات پر شاہ عبد العزیز صاحب کے خیالات کو خود شاہ عبد العزیز صاحب کی زندگی ہی میں ایک جگہ کتابی صورت میں جمع کیا تھا، جس کا نام انہوں نے "افاداتِ عزیزیہ" رکھا تھا۔ یہ خیالات زیادہ تر خود شاہ صاحب کی ہی عبارت میں تھے جو انہوں نے شاہ رفیع الدین صاحب کو خطوط کی شکل میں لکھے تھے۔ اس کتاب کے مقدمے میں یہ عبارت ملتی ہے:۔

"فرید دہر و وحید عصر . . . . شاہ عبد العزیز سلمہ اللہ تعالیٰ . . . تفسیرے مسمے بفتح العزیز تالیف نمودہ وہنوز مسودات آں بہ بیاض نہ رسیدہ وتحقیقات بسیار ولطائف بے شمار دراں محرر شدہ لیکن پنج علم باستقلال بآں مخصوص است اول عنوانات سور وضبط مضمون ہر سورہ اجمالاً۔ دوم ربط آیات بعضہا مع بعض۔ سوم متشابہات القرآن۔ چہارم اسرار القصص والاحکام۔ پنجم لطائف نظم قرآن۔ ومصنف سلمہ اللہ تعالیٰ بفقیر محمد رفیع الدین جستہ جستہ نمونہ از ہر پنج علم در مکاتیب نوشتہ وبعض سوالہا کہ فقیر ازاں استفسار نمودہ جوابہا آں در مکاتیب نوشتہ اند ہمہ آنزا دریں اوراق نقل کردہ شد"

مندرجہ بالا عبارت سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے پورے

---

[1] مولانا نسیم احمد فریدی امروہی صاحب نے اس کتاب کا نام "اَسْوِلَہ وَ اَجْوِبَہ" تحریر فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو ان کا مضمون سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (الفرقان مئی ۱۹۶۷ء)۔ حالانکہ اس کا اصل نام افاداتِ عزیزیہ ہے، انہوں نے اس نسخہ کو مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں بھی بتلایا ہے۔ شاید دونوں کے سلسلے میں مولانا کو تسامح ہوا۔ دار العلوم ندوہ کے کتب خانے میں جہاں سے مولانا نے عبارت لی ہے، اس کے دو نسخے اسی افاداتِ عزیزیہ کے نام سے موجود ہیں۔

قرآن کی تفسیر لکھی تھی، ورنہ شاہ رفیع الدین صاحب اس کا ضرور ذکر فرماتے، یا کم از کم تفسیر کے متعلق وہ الفاظ نہ لکھتے جو انھوں نے لکھے ہیں، اس کے علاوہ خود اس کتاب میں شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر کی ان سورتوں کی تفسیر کے حوالے ملتے ہیں جو آج کل قلمی یا مطبوعہ شکل میں موجود نہیں ہیں جن سے اس کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے کہ شاہ صاحب نے تفسیر یقیناً مکمل کر لی تھی۔ اس کتاب کی اکثر عبارتیں عربی میں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ غالباً شاہ عبدالعزیز صاحب نے شاہ رفیع الدین صاحب کو جو خطوط لکھے تھے وہ عربی میں تھے، اسی لئے انہوں نے تفسیر فتح العزیز سے ضروری مقامات کا ترجمہ یا خلاصہ عربی ہی میں دیا ہے۔

اس کتاب کو دیکھنے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ تفسیر فتح العزیز شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات سے بہت پہلے یعنی ۱۲۰۸ھ کے قریب مکمل ہو چکی تھی، اس لئے کہ افادات عزیزیہ کے مرتب شاہ رفیع الدین صاحب کا انتقال ۱۲۱۸ھ یا ۱۲۲۳ھ[1] میں ہوا ہے، اور خود اس کتاب کے اندر ایک دو جگہ جو تاریخیں ملتی ہیں۔ مثلاً ۲۸ صفر ۱۲۱۵ھ یا جمعہ ۱۹ صفر ۱۲۱۵ھ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تفسیر ۱۲۱۵ھ سے پہلے مکمل شکل میں تحریر ہو چکی تھی، جبھی شاہ صاحب ان کے حوالے ۱۲۱۵ھ کے خطوط میں دیتے ہیں[2]۔

---

[1] ان کی تاریخ میں اختلاف ہے، تذکرہ علمائے ہند میں ۱۲۱۸ھ اور نزہۃ الخواطر میں ۱۲۲۳ھ ہے۔

[2] مولانا نسیم احمد فریدی امروہی صاحب اپنے حالیہ مضمون "سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ملفوظات" میں جو جولائی کے الفرقان میں شائع ہوا ہے ملفوظات کے مندرجہ ذیل قطعے سے عجیب و غریب نتیجہ نکالتے ہیں، وہ قطعہ یہ ہے:-

جامع علم و عمل، شیخ الوریٰ عبدالعزیز — آنکہ او اندر جوانی کار پیراں می کند

بسکہ استمداد، دارد از سحاب معنوی — بحر مواجے است چوں تفسیر قرآں می کند

اس قطعہ کا ترجمہ لکھنے کے بعد مولانا لکھتے ہیں:- "اس قطعہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے تفسیر فتح العزیز جوانی کے زمانے میں لکھی تھی" (الفرقان جولائی ۱۹۶۷ء ص ۳۰)۔ (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اس کے علاوہ ایک اور قدیم اور نایاب تذکرہ یعنی مقالاتِ طریقت کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ شاہ صاحب نے پوری تفسیر لکھی تھی، مقالاتِ طریقت میں صفحہ ۳۲ پر یہ عبارت ملتی ہے :۔

"حاجی محمد حسین صاحب سہارنپوری سلمہ اللہ تعالیٰ مولوی نور اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک تفسیر تمام قرآن مجید کی اکبرآباد کے قاضی کے یہاں موجود ہے مگر وہ چھپی نہیں۔"

یہ ہیں دو طرح کی متضاد روایات جن سے ایک طرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے پورے قرآن مجید کی تفسیر نہیں بلکہ شروع کے سوا پارے کے قریب اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر لکھی اور دوسری طرف چند روایات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے یقیناً پورے قرآن شریف کی تفسیر لکھی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ایک ہی کتاب میں دو طرح کی باتیں ملتی ہیں۔ مثلاً مقالاتِ طریقت میں ایک روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے

(پچھلے صفحہ کا باقی حاشیہ) پتہ نہیں مولانا نے آخری مصرعے سے تفسیر فتح العزیز کی تصنیف کا نتیجہ کیسے نکالا۔ اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جب قرآن شریف کی تفسیر بیان فرماتے ہیں تو گویا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر معلوم ہوتے ہیں، اس سے بیانِ تفسیر مراد ہے نہ کہ تصنیف۔ اگر مولانا کی رائے مان لی جائے تو شاہ عبدالعزیز صاحب نے خود مقدمے میں جو سنہ تالیف یعنی ۱۲۰۸ھ دیا ہے، غلط ہو جائے گا اور مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کی یہ بات بھی غلط ہو جائے گی کہ شاہ صاحب نے تفسیر لکھی جو ابھی بیاض تک نہیں پہنچی ہے۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے ۱۲۰۳ھ میں سفر حرمین سے واپسی کے بعد افاداتِ عزیزیہ کی ترتیب ۱۲۱۵ھ کے بعد کی ہے، اگر انہوں نے جوانی ہی میں اسے تحریر فرمایا تھا تو اس وقت تک تو پوری تفسیر شائع ہو جانی چاہیے تھی، جس طرح تحفہ خود شاہ صاحب کے زمانے ہی میں شائع ہو گئی۔ اس کے علاوہ جوانی میں اگر یہ تفسیر لکھی جاتی تو اس کے مقدمے میں صحت کی خرابی، مختلف بیماریوں کی وجہ سے سخت ذہنی انتشار کا اس قدر ذکر نہ فرماتے۔ اس لئے اس طرح کے نتائج نکالنے میں احتیاط کرنی چاہیئے۔

تفسیر مکمل نہیں کی تھی، اور مولانا حیدر علی فیض آبادی نے اس کا تکملہ کیا، دوسری طرف یہ روایت ہے کہ اکبرآباد کے قاضی کے یہاں پورے قرآن مجید کی تفسیر موجود ہے، مگر وہ چھپی نہیں؟ آخر یہ تضاد کیا اور کیسے ہوا؟ اور ان متضاد روایات میں کس کو صحیح سمجھا جائے، اور ان میں کس طرح تطبیق دی جائے؟

اس سے پہلے کہ ہم اس تضاد کے وجوہ اور تطبیق کی صورتوں پر غور کریں۔ ایک اہم سوال کا جواب دینا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اگر شاہ صاحب نے پوری تفسیر لکھی تو کیا ان کی مکمل تفسیر کا کوئی مطبوعہ یا قلمی نسخہ اس وقت کہیں پایا جاتا ہے؟ راقم الحروف کو ہندوستان کے بیشتر مشہور کتب خانوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، مگر کسی میں مکمل تفسیر نہ مل سکی، البتہ دو چیزیں ایسی ملیں جو شاہ صاحب کی تفسیر سے متعلق ہو سکتی ہیں، پہلی چیز ایک تفسیر کے چند صفحات ہیں جو قلمی شکل میں کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ (ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب سابق ناظم ندوہ) کے کتب خانے نمبر ۷۷ ۲ کے تحت موجود ہیں، جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نام سے منسوب ہے، یہ سورہ مائدہ کی تیسری آیت سے ۷ ۳ ویں آیت تک کی تفسیر پر مشتمل ہے، اور مخطوطہ کے آخر میں یہ عبارت درج ہے:۔

> "تمام شد تفسیر چند آیات سورہ مائدہ تصنیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہشتم جمادی الاول روز پنجشنبہ در لکھنؤ در عمل نصاری ۱۲۷۰ھ
> الحمد للہ رب العلمین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علی محمد خیر خلقہ و اصحابہ اجمعین"

دوسری چیز ایک مطبوعہ تفسیر "تفسیر عزیزی المعروف بہ وعظ عزیزی" ہے یہ تفسیر مجھے اپنے ایک محترم بزرگ مولانا مسیح الزماں صاحب قاسمی کے ذاتی کتب خانہ میں ملی ہے، جو سورۃ المؤمنون سے لے کر سورۂ یٰسین تک کی فارسی تفسیر اور ۲۵۹ صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی ہے، مگر سنہ طباعت درج نہیں ہے، البتہ کتاب کے مقدمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تیرھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں شائع ہوئی ہے۔ اس وعظ کے مرتب شاہ صاحب کے

ایک شاگرد مولانا ابوالفرید امام الدین[1] صاحب ہیں۔ چنانچہ شروع میں اپنے حالات اور شاہ صاحب سے اپنا تلمذ اور شاہ صاحب کے سلسلے میں ایک مثنوی لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

"چوں معمول قدیم آں سرحلقہ ورثۃ الانبیاء بود کہ روز سہ شنبہ وجمعہ درسِ قرآن وحدیث می فرمود و ربط سور وآیات بیک دگر بصد ہزار نکات بتوضیح تام دلنشین ہر خاص وعام شدی و اسرار احادیث علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بتشریح تمام مفہوم ہر وضیع وشریف گشتہ بندہ بہ تحریر تقریر دلپذیرش کمرہمت چست بربستم وبایں سعادت عظمیٰ از سورہ مؤمنون تا والصّافات بہرہ ورگشتم، چوں کل امر مرہون باوقاتہا درسنہ یک ہزار ودوصد وپنجاہ ونہ ہجری مسودہ مذکورہ رانظر ثانی نمودم ومرۃ بعد اولیٰ بتسویدش زنگ حسرت از دل احباء زدودم۔ ابیات

شنیدم آنچہ در ہر درس تقریر نمودم جستہ للہ تحریر
ندارم خواہش اجرت من از کس امید اجر دارم از خدا بس

اس کتاب کو دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ درحقیقت یہ شاہ صاحب کے درس کے نوٹ ہیں جنھیں امام الدین صاحب نے دوران درس میں قلمبند کیا ہے، اسی وجہ سے مفصل نہیں ہے مگر انداز بالکل وہی ہے جو تفسیر فتح العزیز کا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ فتح العزیز مفصل ہے اور مستقل تصنیف اور وعظ عزیزی ان کے درس کا خلاصہ ہے۔

---

[1] مولانا سید عبدالحی لکھنوی صاحب نزہۃ الخواطر میں ان کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کی نسبت کی وجہ سے ان کا لقب بھی حجۃ اللہی پڑ گیا تھا، اس لئے کہ شاہ صاحب کو اس وقت لوگ حجۃ اللہ کہا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ۷ ص ۷۵-۷۶) انہی امام الدین صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بہت سی شاہ صاحب کی کتابیں رضا لائبریری رام پور میں موجود ہیں۔

"وعظِ عزیزی" میں ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ فتاویٰ عزیزی میں جو عبارتیں تفسیر فتح العزیز سے متعلق ملتی ہیں، جن میں سے چند کا ذکر ہم نے شروع میں کیا ہے، وہ عبارتیں اس وعظِ عزیزی سے ماخوذ نہیں ہیں، گو وعظِ عزیزی میں بھی بعض اس طرح کی باتیں ملتی ہیں مگر بہت مختصر اور الفاظ بھی بالکل مختلف ہیں، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عبارتیں اسی سے لی گئی ہیں۔

اس سے ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شاہ صاحب نے غالبًا اپنے درس میں پورے قرآن مجید کی تفسیر فرمادی تھی جس کا ایک حصہ امام الدین صاحب نے قلمبند کر لیا تھا، جو شایع ہو گیا ہے۔ ممکن ہے ان کے شاگردوں میں سے کسی اور نے بھی اس طرح سے درس کے نوٹ لئے ہوں، اس کے بعد شاہ صاحب نے پورے قرآن مجید یا کم از کم اس کے زیادہ حصے کی تفسیر درس میں یا وعظ میں فرمادی ہو، تو یہ بات قرین قیاس ہے کہ بعد میں لوگوں کے اصرار پر اسے املا بھی کرادیا ہو، جب کہ واقعہ بھی ہے۔ کیونکہ تفسیر فتح العزیز جو اس وقت مطبوعہ شکل میں موجود ہے وہ املائی[1] ہے۔

---

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب تاریخ مشائخ چشت میں صفحہ ۴۹۲ پر فرماتے ہیں کہ "مسلم یونیورسٹی لائبریری کے ذخیرہ سر شاہ سلیمان میں تفسیر عزیزیہ کا ایک قلمی نسخہ (کتبہ ۱۲۱۹ھ) ہے۔ شیخ مصدق الدین جو شاہ فخر صاحب کے مرید تھے شاہ عبدالعزیز صاحب کے درس تفسیر میں شریک ہوتے تھے اور جو کچھ سنتے تھے "لفظ بلفظ اورا در سلک تحریر کشیدند" (ص ۲)۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے جب اس مجموعہ کو ملاحظہ فرمایا تو ایک مقدمہ لکھا۔"

پتہ نہیں پروفیسر نظامی صاحب نے یہ کیسے نتیجہ نکالا کہ شیخ مصدق الدین صاحب جو پھر شاہ صاحب کے درس میں سنتے تھے اس کو لکھتے گئے اور بعد میں اس مجموعے کو دیکھ کر شاہ صاحب نے اس پر مقدمہ لکھ دیا۔ حالانکہ خود اس مخطوطہ میں اور اس طرح اور تمام مطبوعہ نسخوں میں لفظ بلفظ اورا در سلک تحریر کشیدند سے پہلے یہ عبارت بھی موجود ہے...

'تفسیرے بلغت فارسی بحسب روزمرہ متعارف ایں دیار (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اب آئیے خود تفسیر فتح العزیز کے مقدمے کو دیکھیں، اس مقدمے میں شاہ صاحب حمد و ثنا اور اپنا تعارف جیسا کہ کتاب کے شروع میں لکھا جاتا ہے، کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

"در سنہ یک ہزار و دو صد و ہشت از ہجرت مقدسہ نبویہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیۃ بجاذبہ شوق و داعیہ عزم برادر دینی[1] جوہر نتیجہ حق گزینی سالکِ راہِ خدا جوئے ملازم طریقۂ صدق گوئی مقبول جناب عالی قباب خلائق مآب مولانا و بالفضل اولانا فخر الملۃ والدین محمد قدس سرہ الامجد شیخ مصدق الدین عبداللہ وفقہ اللہ لما یحبہ ویرضاہ . . . . . کہ اولاً برائے ایضاح معانی سورۂ فاتحۃ الکتاب و دو سیپارہ آخرین از حضرت قرآن مجید نفعنا اللہ بآیاتہ فی الدنیا والآخرہ کہ اکثر مسلمین در صلوٰۃ خمسہ وجمعہ وجماعات و محاضر

(پچھلے صفحہ کا باقی حاشیہ) و استعمال تمثیلات رائج ایں روزگار وحذف تطویلات لاطائل اہل عربیت و اسقاط توجیہات بعیدہ مبنیہ بر روایات بے وثاق املا نمود وآں برادر دینی لفظ بلفظ اورا درسلک تحریر کشیدند" نظامی صاحب کو شاید اس سلسلے میں سہو ہوا۔

[1] نظامی صاحب مشائخ چشت میں اسی صفحہ پر مذکورۂ بالا سطور کے بعد یہ تحریر فرماتے ہیں: "اس میں ایک جگہ مصدق الدین کی شاہ فخر صاحب سے نسبتِ ارادت کا ذکر کرتے ہیں تو اس طرح نام لیتے ہیں، " برادر دینی جوہر . . . . حق گزینی، سالک راہ خدا جوئی ملازم طریقۂ صدق گوئی مقبول جناب مولانا عالی جناب خلایق مآب و بالفضل اولانا فخر الملۃ والدین محمد قدس سرہٗ الامجد"

اس سلسلے میں بھی غالباً نظامی صاحب کو غلط فہمی ہوئی، اس لئے کہ برادر دینی سے صدق گوئی تک کی عبارت شیخ مصدق الدین صاحب کی تعریف میں ہے، اس کے بعد مولانا عالی قباب سے شاہ فخر صاحب کی نسبت ذکر ہے۔ اصل مسودہ میں عبارت "مقبول جناب مولانا عالی قباب" ہے نہ کہ "عالی جناب"۔

ارواحِ مقدسہ انبیاء و اولیاء و زیارتِ قبورِ صلحا و عرفا بتلاوت ایں سورۂ تشرف و استعاد می نمایند و تعطش بدریافت مضامین آنہا بہم میرسانند و ثانیاً باستیناف از سورہ بقرہ کہ بحکم ؎

شربت الحب کأساً بعد کأس فما نفد الشراب ولا رویت

مزید رغبت بحل حقائق و دقائق کلام الٰہی قرار دادہ اند تفسیرے بلغت فارسی بحسب روزمرہ متعارف ایں دیار و استعمال تمثیلات رائج ایں روزگار و حذف تطویلات لاطائل اہل عربیت و اسقاطِ توجیہاتِ بعیدہ مبنیہ بر روایات بے وثاق املا نمود۔"

اگر مقدمے کی مندرجہ بالا عبارت کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے دو اہم نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) یہ مقدمہ اس وقت لکھا گیا ہوگا جب تفسیر موجودہ صورت میں لکھ کر تیار ہوگئی ہوگی۔

(۲) کم از کم سورہ بقرہ کی تفسیر مکمل لکھی گئی ہوگی۔

مگر عجیب اتفاق ہے کہ تفسیر فتح العزیز کے پہلے حصے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی صورت نہیں ہے، اس لئے کہ یہ تفسیر سورہ بقرہ کے ۲۳ ویں رکوع کی دوسری آیت کی تفسیر کرتے کرتے اچانک ختم ہوجاتی ہے، حتٰی کہ آخری جملہ بھی مکمل نہیں ہو سکا۔ وہ آخری اور نامکمل جملہ یہ ہے:-

" و در ترمذی و نسائی و دیگر کتبِ معتبرۂ حدیث از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روایت آوردہ کہ حق تعالیٰ حضرت یحییٰؑ پیغمبر را پنج چیز حکم فرمودہ بود کہ خود ہم بداں عمل نمایند و بنی اسرائیل را نیز بفرمایند تا موافق آں عمل کنند حضرت یحییٰ علیہ السلام بنا بر تمرد بنی اسرائیل در اظہار آں احکام توقف فرمودند حضرت عیسیٰ علیہ السلام را وحی شد کہ بحضرت یحییٰؑ بگویند کہ حق تعالیٰ شمارا"

اس سلسلہ میں اگر یہ کہا جائے کہ شاہ صاحب نے صرف اتنی ہی تفسیر لکھی تھی جتنی کہ آج مطبوعہ شکل میں موجود ہے، تو شاید اس کا کوئی جواب نہیں ہے کہ شاہ صاحب نے اس

رکوع یا کم از کم اس آیت ہی کی تفسیر کیوں نہ مکمل کر دی جسے انہوں نے شروع کیا تھا، یا آخری جملہ کیوں نہ مکمل کردیا جس کا بڑا حصہ لکھ چکے تھے؟ اس کے جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے بعد شاہ صاحب اچانک بیمار پڑ گئے اور اس کے بعد انتقال ہو گیا ہوگا، اس لئے کہ خود اس مقدمے کے مطابق شاہ صاحب نے یہ تفسیر ۱۲۰۸ھ میں لکھی اور شاہ صاحب کا انتقال اس کے ۳۱ برس کے بعد ۱۲۳۹ھ میں ہوا۔ اس اکتیس سال کے دوران اتنا تو بہرحال ہو سکتا تھا کہ وہ جملہ یا وہ رکوع مکمل کر سکتے تھے، حالانکہ مقدمہ کو لکھنے سے پہلے امید یہی کی جاتی ہے کہ شاہ صاحب نے سورہ بقرہ تو ختم ہی کر لی ہوگی اس لئے کہ ناتمام جملہ لکھ کر بیٹھے کر لینا کہ اب اس کے آگے نہ لکھا جائے گا اور مقدمہ لکھ کر بات ختم کر دینا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

اس سلسلے میں سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تصانیف کے اصل یا کم از کم ان کے زمانے کے قلمی نسخے نہیں ملتے، جو بھی ملتے ہیں سب بعد کے ہیں، مجھے اس سلسلے میں سب سے قدیم جو قلمی نسخہ تفسیر فتح العزیز کا مل سکا ہے وہ ۱۲۴۹ھ کا مکتوبہ ہے یہ نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے ذخیرہ سر شاہ سلیمان میں محفوظ ہے، اس کے مقدمے میں سورہ بقرہ کی تفسیر سے متعلق جو جملہ عام طور پر مطبوعہ نسخوں میں ملتا ہے، مجھے نہیں ملا۔ بلکہ یقین سا ہو چلا ہے کہ شاید یہ جملہ بعد میں بڑھایا گیا ہے۔

تفسیر فتح العزیز کے سلسلے میں مذکورہ بالا حقائق کو سامنے رکھ کر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:-

شاہ عبدالعزیز صاحب نے جیسا کہ مقدمہ سے ظاہر ہے، غالباً پہلے سورہ فاتحہ اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر شیخ مصدق الدین کو املا کرائی، مگر بعد میں لوگوں کے اصرار پر یہ خیال ہوا ہوگا کہ پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جائے، چنانچہ انہوں نے سورہ بقرہ سے اس کو شروع کیا اور اٹھائیسویں پارے کے آخر تک پوری تفسیر لکھوا دی۔ پھر مختلف عوارض نے اس کام پر نظر ثانی کرنے اور اس کو آخری شکل دینے کی مہلت نہ دی اور معاملہ آج کل آج کل پر ٹلتا رہا، مگر تفسیر کا پہلا مسودہ تیار ہو چکا تھا، اس لئے اپنے خطوط میں اپنے احباب

کو اس کا حوالہ دیتے رہے، جیسا کہ فتاوٰی کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ رفیع الدین مرادآبادی نے بھی یہی لکھا ہے کہ شاہ صاحب نے تفسیر لکھی مگر وہ مسودہ بیاض تک نہیں پہنچا، یعنی آخری شکل میں نہیں آیا، مگر مسودہ پورا ہو چکا تھا اس لئے شاہ صاحب اس کے اقتباسات اپنے احباب کو عندالضرورت لکھ دیتے تھے، لیکن مسودہ آخری شکل میں نہیں آیا تھا، اس لئے سب لوگوں تک یہ کتاب نہیں پہنچ سکی اور اس کی مختلف کاپیاں نہ ہو سکیں غالبًا شاہ صاحب کا خیال رہا ہوگا کہ اگر طبیعت سنبھل گئی تو اس پر نظرثانی کر کے آخری شکل دے دیں گے، مگر اس کا موقع نہ مل سکا، اور یہ مسودہ آخری وقت تک اسی شکل میں پڑا رہا، اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ اسی لئے اکثر تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف چند لوگوں ہی کو اس کا علم تھا۔ اسی دوران میں غالبًا یہ بھی ہوا کہ شاہ صاحب کی وفات اور پھر شاہ اسحٰق صاحب اور شاہ محمد یعقوب صاحب کی ہجرت کے بعد یہ اصل مسودہ کسی طرح ضایع ہوگیا، اور اس کا صرف اتنا ہی حصہ مل سکا جو آج مطبوعہ شکل میں موجود ہے، غالبًا یہی وجہ اس آخری جملے کے نامکمل رہ جانے کی ہے، ممکن ہے اس کی کوئی کاپی مقالاتِ طریقت کے شائع ہونے کے وقت تک جیسا کہ خود اس کے مصنف کا خیال ہے اکبرآباد کے قاضی کے یہاں موجود رہی ہو، مگر ناشروں کو صرف نامکمل اور ناقص کاپی مل سکی اسی کو انہوں نے شائع کر دیا، پورا مسودہ کچھ دنوں میں ضائع ہوگیا، اور چونکہ سورہ بقرہ کی اس آیت کے بعد سے تفسیر کا کوئی حصہ نہ مل سکا، اس لئے غالبًا نواب سکندر جہاں بیگم نے مولانا حیدر علی فیض آبادی سے اس کا تکملہ لکھوایا۔ بہرحال جو صورت بھی ہوئی ہو، اغلب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی تھی، اس کے بعد کیا ہوا، اس کا صحیح علم نہ ہو سکا، اس لئے اس سلسلے میں قیاس ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مولانا سید عبدالحی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سامنے بھی غالبًا مذکورہ بالا شواہد اور قرائن تھے، جن کی بنا پر انہوں نے بھی یہی نتیجہ نکالا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھی تھی، جس کا بیشتر حصہ غدر کے دوران ضائع ہوگیا، وہ اپنی

معرکۃ الآرا تصنیف نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں :-

و اما مصنفاته فأشهرها : تفسير القرآن المسمى بفتح العزيز صنفه في شدة المرض و لحوق الضعف املاءً و هو في مجلدات كبار . . . . . ضاع معظمها في ثورة الهند و ما بقي منها الا مجلدات من اول وآخر۔

(نزہۃ الخواطر، جلد ۷ ص ۲۷۳)

ان کی تصنیفات میں سب سے مشہور ان کی قرآن شریف کی تفسیر ہے، جس کا نام فتح العزیز ہے، اس تفسیر کو انہوں نے سخت بیماری اور ضعیفی کے زمانے میں املا فرمایا تھا اور وہ ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی . . . . . جس کا ایک بڑا حصہ ہندوستان کے غدر کے زمانے میں ضائع ہوگیا اور صرف شروع اور آخر سے دو جلدیں باقی رہ گئیں۔

(بشکریہ معارف)

اعلم العلماء، افضل الفضلاء، اکمل الکملاء، اعرف العرفاء، اشرف الاماثل، فخر الاماجد والاماثل، رشک سلف، داغ خلف، افضل المحدثین، اشرف علماء ربانیین، مولانا و بالفضل اولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرّہ العزیز کی ذات فیض سمات ان حضرت بابرکت کی فنون کسبی و وہبی اور مجموعہ فیض ظاہری و باطنی تھی، اگرچہ جمیع علوم مثل منطق و حکمت و ہندسہ و ہیئت کو خادم علوم دینی کا کر کر تمام ہمت و سراسر سعی کو تحقیق غوامض حدیث نبوی و تفسیر کلام الٰہی اور اعلائے اعلام شریعتِ مقدسہ حضرت رسالت پناہی میں مصروف فرماتے تھے۔

(آثار الصنادید - سرسید احمد خاں)